اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللہَ یأمرُکم أن تؤدُّوا الأمانات إلٰی أھلِھا و إذا حکمتُم بینَ الناسِ أنْ تحکمُوا بالعدلِ﴾ [النساء: ٥٨] ''بیشک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانتیں حقدار کے حوالے کر دیں اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لیں۔''

یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ووٹ ایک گواہی بھی ہے، کہ فلان شخص یا اس سے منسلک پارٹی قوم کی صحیح نمائندگی کا اہل ہے۔ ووٹ دینے والا جب متعدد امیدوار افراد یا پارٹیوں میں سے ایک کو اپنے ووٹ کا حقدار قرار دیتا ہے، تو یہ عملاً اس کی گواہی ہے کہ فلاں کے مقابلے میں فلاں آدمی ہماری نمائندگی اور قیادت کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر وہ اس کی نگاہ میں دیانت داری، اخلاص اور قابلیت وصلاحیت یا سابقہ تجربات کی روشنی میں اس کا اہل ہو، تو اس کی گواہی اپنے طور پر درست ہوگی۔

اگر ووٹ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت فلاں امیدوار شخص یا پارٹی ملک وقوم کے ساتھ مخلص نہیں ہے؛ لیکن وہ اپنے کسی ذاتی مفاد یا تعصب کی بنیاد پر اس کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرتا ہے، تو ایسا شخص خیانت کے ساتھ ''جھوٹی گواہی'' کا بھی مرتکب ہے۔

حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مجلس سے خطاب کر کے فرمایا: ''کیا میں آپ لوگوں کو آگاہ نہ کروں کہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی زیادہ سنگین گناہ کون سا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے خطرناک ترین گناہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ (۲) والدین کی نافرمانی کرنا۔'' ابوبکرہ کا بیان ہے کہ اس دوران آپ ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، پھر (تیسرے گناہ کی سنگینی پر زیادہ زور دیتے ہوئے) سیدھے بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: ''(۳) خبردار! جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی گواہی، خبردار! جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی گواہی، خبردار! جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی گواہی!......!'' صحابی کہتا ہے: یہ فقرہ اتنی بار دہرایا کہ ہم نے آپ ﷺ کی طرف سے سکوت فرمانے کی خواہش کی۔ [بخاری، کتاب الأدب باب ٦ عقوق الوالدین من الکبائر، مسلم، کتاب الإیمان باب الکبائر وأکبرھا]

❁❁❁❁❁❁❁

درس قرآن

تراث رحمانی در فوائد قرآنی

ڈاکٹر اسماعیل محمد امین

قال تعالیٰ: ﴿ وإذ قالَ موسٰى لقومه يٰقومِ إنَّكم ظلمتُم أنفسَكم باتخاذِكمُ العجلَ فتُوبوٓا إلٰى بارِئكم فاقتلوٓا أنفسَكم ذٰلكمْ خيرٌ لكم عندَ بارِئكم فتابَ عليكم إنَّه هو التوابُ الرحيمُ ۝ ﴾[البقرة: ٥٤]

ترجمہ ''اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بیشک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو، پس اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہی تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔ پس اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی، بیشک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم والا ہے۔''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

سابقہ آیات میں اللہ سبحانہ نے بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔ زیر تفسیر آیت مبارکہ میں ان کے ایک قبیح ترین جرم (شرک) کا تذکرہ کرتے ہوئے توبہ کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ان کو توبہ کا طریقہ بتلایا۔ اور اسی آیت میں انہیں توبہ کی قبولیت کی نوید بھی سنا دی گئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو فرعون سے مکمل نجات عطا کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملاقات کے لیے کوہ طور پر بلایا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور چلے گئے تھے۔ اسی دوران سامری نے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اس کی پوجا کی طرف بلایا۔ اس پر بنی اسرائیل کی اکثریت نے حضرت ہارون کی نصیحت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس خود ساختہ بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے تو اپنی قوم کی حالت دیکھ کر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا۔ جیسا کہ یہ قصہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر کہیں تفصیلاً اور کہیں اجمالاً بیان ہوا ہے۔

آخر میں بنو اسرائیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿ ولما سُقِطَ فِیٓ أیدیهم ورَأَوْا أنَّهم قدْ ضلُّوا قالوا لئِن لم یرحمْنا ربُّنا ویغفرْ لنا لنکونَنَّ مِن الخٰسرینَ ۝ ﴾[الاعراف ١٤٩]

'اور جب وہ پشیمان ہوئے اورانہوں نے جان لیا کہ بیشک وہ تو گمراہ ہوگئے ہیں،تو انہوں نے کہا یقیناً اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور ہی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

جب انہیں اپنے کیے پر ندامت ہوئی اور توبہ کی طرف راغب ہوئے تو زیرِتفسیر آیت مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں توبہ کی طرف رغبت دلاتے ہوئے انہیں توبہ کے طریقہ کار کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ﴿وإذ قال موسی لقومه﴾ یہ جملہ سابقہ آیت پر عطف ہے۔

﴿وإذ﴾ یعنی (اذکروا إذ) اس وقت کو یاد کرو۔ ﴿قال موسی لقومه﴾ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ ''قوم'' سے مراد کبھی صرف مرد حضرات ہوتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لا یسخر قومٌ من قوم......﴾ [الحجرات] اسی طرح ﴿ولوطا إذ قال لقومه أتأتون الفاحشة ......﴾ [الأعراف ۸۰] ان دونوں آیتوں میں قوم سے مراد صرف مرد ہیں۔ اور کبھی ''قوم'' کا اطلاق مرد اور خواتین دونوں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إنا أرسلنا نوحا إلی قومه﴾ [سورة نوح ۱]

زیرِتفسیر آیت مبارکہ میں (قوم) سے مراد بچھڑے کی پوجا کرنے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرنے کے لیے ﴿یٰقوم﴾ کہا کیونکہ عام طور پر ہر انسان اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہ ہوتا ہے۔

﴿إنكم ظلمتم أنفسكم﴾ ظلم اصل میں کسی چیز کو اصل و مناسب جگہ پر نہ رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ عرب محاورہ ہے: (ظَلَمَ الرجلُ جذورَه) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی اپنے اونٹ کو بغیر کسی مرض کے ذبح کرے۔ شیخ ابن العثیمین فرماتے ہیں کہ ﴿ظلمتم أنفسكم﴾ کے معنی ہیں: ''تم نے اپنا حق ناقص ادا کیا ہے۔'' یعنی تم نے اپنے آپ کو اصل مقام سے گھٹا دیا ہے۔ کیونکہ ظلم کا اصل معنیٰ ''نقص'' ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ﴿كلتا الجنتينِ اٰتتْ أُكلَها ولمْ تظلمْ منه شيئًا﴾ [الكهف ۳۳] ''دونوں باغوں نے اپنا پھل پورا دیا اور اس میں کوئی کمی نہ کی۔''

بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ (بچھڑے) کی عبادت کر کے ظالم بنے تھے۔

﴿باتخاذكم العجل﴾ یعنی بچھڑے کو 'معبود' بنا کر تم نے اپنے جانوں پر ظلم کیا۔ انسان جب بھی کوئی نافرمانی کرے، تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اسی لیے ﴿ظلمتم أنفسكم﴾ سے تعبیر ہوئی ہے۔

﴿فتوبوا﴾ توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں توبہ ''کسی گناہ کے سرزد ہونے کے بعد اسے مکمل چھوڑتے ہوئے اللہ سے معافی مانگنا ہے۔'' امام نوویؒ نے توبہ کی چار شروط ذکر کی ہیں: (۱) گناہ کو مکمل

چھوڑنا۔(۲) گناہ پر ندامت ہونا۔(۳) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔(۴) سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے، اسی طرح حالت نزع یعنی سکرات الموت کے وقت سے پہلے توبہ کرنا۔(۵) نیز اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو مظلوم کو غصب کردہ مال واپس کرنا یا اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔[شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۷/۲۶]

﴿إلىٰ بارئكم﴾(باری) برا یبرا سے اسم فاعل ہے۔اور خالق (پیدا کرنے والا) کے معنی میں ہے۔اسی سے (بَرِيَّة) مخلوق کو کہا جاتا ہے۔بعض نے باری اور خالق میں فرق کیا ہے۔باری بغیر نقشے کے اور پہلی بار پیدا کرنے والا ہے، جبکہ خالق اندازہ کرنے والا اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنے والا ہے۔

﴿فتوبوا إلى بارئكم﴾ میں ان کے گناہ کی سنگینی کی طرف اشارہ ہے۔کہ تم نے اصل خالق کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کی عبادت کی ہے۔جیسا کہ الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا﴿أتدعون بعلاً وتذرون أحسن الخٰلقين ○ اللهَ ربَّكم وربَّ اٰبآئِكم الأولينَ ○﴾[الصافات ۱۲۵-۱۲۶]

﴿فاقتلوا أنفسكم﴾ میں (فاء) امام شوکانی کے نزدیک تعقیب کے لیے ہے۔جبکہ شیخ ابن العثیمین کے نزدیک تفسیر یہ ہے۔یعنی﴿فتوبوا إلى بارئكم﴾میں اجمال ہے۔اس کی تفصیل اور تفسیر(فاقتلوا) سے ہوئی ہے۔

بعض اربابِ الخواطر کا خیال ہے کہ ﴿فاقتلوا أنفسكم﴾ کے معنی ہیں "اپنی شہوات نفسانیہ کو قتل کر کے اللہ کی اطاعت کو لازم پکڑو۔" لیکن یہ زعم باطل ہے، کیونکہ قتل یہاں پر حقیقی معنی میں ہے۔اور یہاں پر یہ بھی مراد نہیں کہ انہیں یہ کہا گیا ہو کہ تم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو قتل کرے۔یہ معنی مراد نہ ہونے پر امام قرطبی نے اجماع نقل کیا ہے۔اس لیے راجح معنی یہ ہے کہ "تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔" آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں مفسرین کے مابین اختلاف ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے ایک صحیح اثر منقول ہے کہ قتل کے وقت ان پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔[التفسير الصحيح] بعض تفسیری روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ تم نے اپنے سامنے والے کو قتل کرنا ہے، خواہ وہ اپنا باپ، بیٹا یا بھائی ہو۔لیکن یہ کام ان کے اوپر بہت زیادہ مشکل ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر بادل نازل کر دیا تو وہ ایک دوسرے کو اندھیرے میں قتل کر رہے تھے۔بعض نے کہا کہ قتل کے وقت کوئی اندھیرا نہیں تھا، وہ اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے۔شیخ ابن العثیمین نے اسی کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا اندھیرے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اور قتل کے وقت اندھیرا نہ ہونے میں زیادہ مبالغہ اور ان کی توبہ سچی ہونے کی دلیل بھی ہے۔وہ آپس میں کسی طرح قتل کرتے تھے؟ اس میں مفسرین کے مابین اختلاف ہے:

ا۔ بعض نے کہا کہ جو شرک سے محفوظ رہے تھے، انہیں حکم ہوا کہ مرتکب شرک لوگوں کو قتل کریں۔ تو وہ اس پر عمل پیرا ہوئے۔ جب اللہ نے انہیں قتل سے روکا تو ان کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ یہ رائے حضرت ابن عباس سے صحیح سند سے مروی ہے۔ لیکن یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ [التفسير الصحيح]

۲۔ سب گناہ گاروں کو دو صفوں میں کھڑا کر دیا گیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ اسی رائے کی طرف علامہ ابن العثیمین مائل ہوئے ہیں۔

﴿ذٰلكم خير لكم عند بارئكم﴾ یعنی تمہارا ایک دوسرے کو قتل کرتے ہوئے توبہ کرنا۔ تمہارے رب کے ہاں بہتر ہے۔ اس سے اخروی کامیابی اور بہتری مراد ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم سے توبہ کرنے اور معصیت کو چھوڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کرنے سے انسان اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اللہ کے عذاب و عقاب سے نجات ملتی ہے۔

(خير) تفضیل کا صیغہ ہے۔ جو اصل میں دو چیزوں کے درمیان موازنہ اور ایک دوسرے کی نسبت کثرت کا معنی بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں افعل التفضيل اصلی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے؛ مطلق خیریت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ توبہ نہ کرنے والے اور شرک پر مرنے والوں کے لیے خیر کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں ﴿فتاب عليكم﴾ سے پہلے (فتبتم) محذوف ہے۔ یعنی جب تم نے توبہ کیا تو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ سے صحیح اور قتادہ اور امام زہری سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ لوگوں کی قبولیت توبہ اور مقتولین کے لیے شہادت کی خوشخبری عطا فرمائی۔ [التفسير الصحيح]

﴿إنه هو التواب الرحيم﴾ یہ جملہ سابقہ فرمان الٰہی (فتاب عليكم) کی تعلیل ہے۔ یعنی اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، کیونکہ اللہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم والا ہے۔ (هو) ضمیر فصل ہے، جو حصر اور تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔ ﴿التواب الرحيم﴾ دونوں مبالغہ کے صیغے اللہ کے صفاتی اسماء میں سے ہیں۔ (التواب) ''بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا'' کیونکہ اس کی طرف توبہ کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں، جن کا شمار صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے۔ اور قبول بھی فرماتا ہے؛ بلکہ ایک ہی بندے کی توبہ بار بار بھی قبول فرماتا ہے، بشرطیکہ پورے خلوص سے کرے۔ اور ان کو توبہ کی توفیق بھی دیتا ہے۔ (الرحيم) بہت وسیع رحمت والا ہے۔ جس کی رحمت ہر چیز کو گھیر رکھتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو توبہ کی توفیق دی پھر اسے قبول فرمائی۔ [دیکھئے: التفاسير الطبري، القرطبي، ابن كثير، البغوي، الشوكاني، ابن العثيمين، التفسير الصحيح]

آیت مبارکہ سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبرا: قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گزرے ہوئے بنی اسرائیل کے قصوں کو بیان کرنے کا مقصد اولاً تمام یہودیوں کے لیے اور ثانیاً دیگر لوگوں کے لیے بھی تذکیر اور تنبیہ ہے کہ جو کوئی انبیاء کرام کی تعلیمات کو مشعل راہ بنائے' اس کے لیے ابدی سعادت ہے؛ ورنہ دنیا و آخرت کی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے ان پر لازم ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لا کر ابدی سعادت کا راستہ اختیار کریں۔[تفسیر الجزائری]

فائدہ نمبر۲: ﴿وإذ قال موسىٰ لقومه يٰقوم......﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو تنبیہ کرتے وقت پیار و محبت کے ساتھ "اے میری قوم" کہہ کر مخاطب ہوئے۔ اسی طرح اسلام کے داعیوں کو چاہیے کہ لوگوں کو دعوت دیتے وقت انتہائی خیر خواہانہ، مشفقانہ اور پرکشش انداز اختیار کریں۔ اسی طرح کسی پر حکم لگانا پڑے تو اس حکم کے اسباب کو بھی بیان کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا ﴿إنكم ظلمتم أنفسكم﴾ تو ساتھ اس کا سبب بھی بیان فرمایا ﴿باتخاذكم العجل﴾ کیونکہ اسباب اپنے مسببات میں مؤثر ہوتے ہیں۔[ابن العثيمين]

فائدہ نمبر۳: ﴿إنكم ظلمتم أنفسكم﴾

ظلم کی دو قسمیں ہیں: (ا) بندہ کا اپنی ذات پر ظلم کرنا۔ اس کے آگے مختلف مراتب ہیں۔ سب سے بڑا ظلم بندے کا اپنے خالق حقیقی کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کرنا ہے۔﴿إن الشرك لظلم عظيم﴾ جس کے بنی اسرائیل مرتکب ہوئے تھے۔ اس کے بعد عام کبیرہ گناہ پھر صغائر، پھر ان دونوں کے درمیان بھی مختلف مراتب ہو سکتے ہیں۔

(۲) بندے کا دوسروں پر ظلم کرنا۔ اس میں بھی ظلم کی نوعیت کی اعتبار سے مختلف مراتب ہو سکتے ہیں۔ ظلم کی دونوں قسموں کے دلائل اور تفصیل جاننے کے لیے مطالعہ کیجیے:[جامع العلوم والحكم ۲/ حديث ۲٤ کی شرح]

فائدہ نمبر۴: آیت مبارکہ سے بنی اسرائیل کا انتہائی جاہلانہ اور بے وقوفانہ رویہ بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی، جو نہ ان کی بات کو سن سکتا تھا۔ نہ ان کے لیے نفع و نقصان کا اختیار رکھتا تھا۔ [ابن العثيمين]

فائدہ نمبر۵: آیت مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ان پر بڑی پابندیاں لگی تھیں۔ ان کے اوپر بھاری بوجھ اور طوق ڈالے گئے تھے۔ اسی لیے بچھڑے کی عبادت پر ان کی توبہ ان کے بعض پر بعض کو قتل

کرنا قرار پایا۔[ابن العثیمین] جبکہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ وأتم التسلیم کے لیے توبہ کا راستہ آسان کر دیا گیا۔

امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: دوسری امتوں کی نسبت امت محمدیہ پر توبہ کی سہولت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ بنی اسرائیل میں توبہ قتل تھی۔ امام قرطبی بھی اسی بارے میں فرماتے ہیں "اسلام کے بعد اس امت پر افضل ترین نعمت توبہ ہے۔[القرطبی]

فائدہ نمبر۷: ﴿فاقتلوآ أنفسكم﴾ اگرچہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ لیکن اس کی تعبیر (اپنی جانوں کو قتل کرو) سے کی ہے۔ اس سے یہ فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت ایک ہی جان کی طرح ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا﴿ولا تلمزوآ انفسكم﴾ "آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔" جو اپنے بھائی کو عیب لگائے گا گویا کہ اس نے اپنے آپ پر عیب لگایا ہے۔ [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۸: ﴿فتوبوآ إلى بارئكم﴾ (توبوا) امر کا صیغہ ہے، امر وجوب کے لیے آتا ہے۔[ابن العثیمین] چونکہ انسان غلطی کا پتلا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:" **كل بني ادم خطآء وخير الخطائين التوابون**" [الترمذی ح ۲۴۹۹ بسند حسن] اس لیے امت کے ہر فرد پر توبہ کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:﴿**وتوبوا إلى الله جميعا أيها المؤمنون لعلكم تفلحون**۞﴾[النور ۳۱] "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " **يا ايها الناس توبوا إلى الله فإني أتوب إليه في اليوم مائة مرة**" [صحیح مسلم ح ۶۷۹۹] "اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع (توبہ) کرو یقیناً میں روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔" توبہ کے فرض عین ہونے پر کتاب وسنت سے متعدد دلائل ثابت ہیں، اور اس پر حضرات ائمہ قرطبی، ابن قدامہ اور ابن تیمیہؒ نے اجماع امت نقل کیا ہے۔[تفسیر القرطبی ۱۸/ ۱۹۷، مختصر منهاج القاصدين ص۳۲۲، مجموع الفتاویٰ ۱۰/ ۳۱۰، حاوی الروح إلى أحكام التوبة النصوح ص۱۳]

﴿فتوبوآ إلى بارئكم﴾ میں (فاء) ترتیب اور تعقیب کے لیے ہے۔ اسی سے علماء نے گناہ کے فوراً بعد توبہ واجب ہونے کا استدلال کیا ہے۔[ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۹: ﴿إنه هو التواب الرحيم﴾ میں اللہ تعالیٰ کے مبارک اسماء حسنیٰ ﴿التواب﴾ اور ﴿الرحيم﴾ کے اثبات کے لیے بھی دلیل ہے۔ ان دونوں ناموں سے قبولیت توبہ اور رحمت کی صفت اور فعل بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور دونوں ناموں کے اکٹھے ہونے پر تیسری صفت بھی ثابت ہوتی ہے کہ توبہ سے مکروہ کا زوال، رحمت سے مطلوب کا حصول ثابت ہوتا ہے۔ اسماء حسنیٰ کی فقہ وفوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:﴿**ولله الأسماء الحسنىٰ فادعوه**